مسدّس حالی: تاریخی وثقافتی مطالعہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد یحییٰ صبا
شعبۂ اردو
کروڑی مل کالج دہلی یونیورسٹی

Abstract: Hali familiarized Urdu literature with the true literary color, but also left the best examples for the upcoming writers by expressing themselves tirelessly on literary criticism, biography, composition and contemporary issues. Maulana Hali's highest achievement in Urdu poetry is his long poem "Masdus Hali". It is said that for many years the most published book in the subcontinent after the Holy Qur'an was "Musdus Hali". It is a matter of faith for anyone to stand up and give a positive message for the nation in a dire situation and in a difficult time, and this work can only be done by someone who has strong faith and knows how to speak the truth in a difficult time. The message of awakening could have been the death knell, but it encouraged truth and audacity and caused even more heat in his emotions. The British knew very well that if anyone could resist their nefarious intentions, it could only be the Muslims. The coming time also proved this and the British had to face stiff resistance at the hands of the Muslims. In such a period, Maulana Altaf

Hussain Hali breathed that soul into the dead hearts of Muslims with his poetry and poetry that the promise of revolution started to be heard everywhere.

Masdus Hali is a poem that reflects the highlights of the Muslim past. In this poem, Maulana Hali not only discusses the former greatness and glory of the nation, but challenges their honor in the present era. Rather, by describing it with historical events, the causes and reasons for their development and decline from era to era have also been described. Which shows Maulana Hali's deep study and awareness of the history of Islam? He has tried to awaken the Muslim nation by giving the form of a poem as a model to the historical events from era to era, which has no example. For example, in the opening verses, a map of the state of Arabia is drawn. He is so true that from the time the pen penned the scene to the present day he has served as a model for every cartographer of that era.

Today, there is not a single leader or reformer who can inspire respect among Muslims in the entire Islamic world. There is a world of chaos everywhere and there is a famine-like situation. Muslims in Muslim countries are thirsty for the blood of Muslims. They are cutting each other's throats day and night. They are bombing. They have no shame in the fact that not only their enemies, innocent children, women, old people

and the innocent are also coming under their attack. The limit is that even the hospital is not safe from their brutal acts. There is a market of brutality and brutality which is always hot, but there is honor and dignity which is not awakening.

Maulana Hali has also mentioned the teachings of Islam in detail. He ? made human beings and especially the land of Arabia where the darkness of ignorance was spread and people were living worse than animals. It is forced to give examples and references of these souls in making the day and night of life ideal.

If the earth is to be made an example of Paradise and it is to be kept above all temptations and mischief, then it is necessary to update the Shariah brought by this Bani ? and to publicize the Sunnah of this Bani ? and the exemplary character of his Companions. Otherwise, the world can never become a paradise, but it can definitely prove to be a hell. The arrival of the Prophet (pbuh) and the spread of his teachings are described in this way:

If history is studied with a sincere heart, even the most developed nation cannot deny that the basis of all the knowledge they have at today's stage of development was provided by the Muslims. New worlds were discovered by Muslims. Muslims provided

the highest standard of justice. Muslims taught the world how to govern. Muslims taught how hearts are lived. He informed the people of the world about sciences and arts such as mathematics, philosophy, medicine, chemistry, geometry, composition, tourism, commerce, architecture, painting, and surgery. It is another matter that the Muslims went ahead and fell victim to neglect of dreams and fell into luxury and avoided research and were defeated by other nations.

In Masad, after describing the progress and rise of the nation in a very effective manner, Hali has stated with great sorrow that the Muslims are content with degradation and are not willing to give up neglect. In this way, they themselves have been humiliated, but due to their indifference, they have also defamed Hadi Burhaq's religion.

This paper aims to present Maulana Altaf Husain Hali's, a talented Urdu poet, for a better understanding of his life and poetry, through various events and issues that shaped his life including his involvement in the Humanist movement, the struggle against colonialism, his participation in the Visionary Writers and thinkers movement, and his relationship with the Social reformation. This paper also focuses on unraveling how love and reformation inspired him for his poetry

....

مولانا الطاف حسین حالی کا یوں تو ہر کارنامہ شاہکار ہے تاہم جس قدر شہرت اور مقبولیت 'مسدس حالی' کو ملی ایسی نہ تو خود ان کی کسی دیگر تصنیف کو ملی اور نہ کسی اور شاعر کی کسی تصنیف وتالیف کو۔ مسدس حالی، سرسید احمد خاں کے خوابوں کی حسین تعبیر اور برسوں کی عبادت و جدو جہد کا ثمرہ ہے۔ اسے سرسید احمد خاں اپنی نجات کا ذریعہ اور وسیلہ کہتے تھے۔ چنانچہ آج تک تاریخ ادب اردو کی کتابوں میں ان کا یہ مشہور جملہ مرقوم ہے کہ 'اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا کہ سید احمد دنیا سے کیا لائے ہو؟ تو میں کہوں گا کہ مسدس حالی لکھوا کے لایا ہوں۔' بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ یہ سچائی بھی ہے کہ مسدس حالی نے اپنے یوم تصنیف سے آج تک وہ مقبولیت وشہرت اور دل پسندگی حاصل کی ہے، جتنی آسمانوں کو بھی نصیب نہیں ہے۔ مسدس حالی کا اگر ایک نظر میں جائزہ لیا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ یہ ہماری یعنی مسلمانوں کی چودہ سو سال کے عروج وزوال کی تاریخ، بیان اور حقیقی تصویر ہے۔

اس کی ابتدا آفرینش عالم سے لے کر وجہ کاینات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش، امانت وصدق سے سجی زندگی کا ذکر مختصر، اس کے بعد خلعت نبوت کی زیب تنی، اس کے بعد اخلاقیات، اسلام، گمراہی اور تباہی میں پڑی دنیا کے لیے پیغام حق سنانے اور نجات دینے، صراط مستقیم کی جانب تلقین کرنے کی ہدایت۔ پھر مسلمانوں کی آفاقی جدو جہد اور کایاپلٹ دینے کے فسانوں کا ذکر، بعد ازاں جب فتوحات اسلامی ساری دنیا میں پھیل گئیں۔۔۔۔۔اس کے بعد 'ہرعروجے راز وال است' کے ازلی کلیے کے مطابق زوال پذیری اور پھر ساری دنیا سے اسلام کا دائرہ سمٹ کر حجاز یا مخصوص طبقات ارض میں رہنے کا کڑوا سچ۔ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ زمانہ ہمیں روندکر کیسی چال چل گیا۔ جو بساط ہم نے بچھائی تھی اس پہ ہم خود ہی مات کھا گئے اور ایسی مات ہم نے کھائی کہ اپنے ساتھ ساتھ فرزیں، رُخ، فیل، شاہ، وزیر اور پیدل وسوار تک کی ڈگر بھول گئے۔ اب عالم یہ ہے کہ نکبت وفلاکت ہمارے گھروں میں آ کر ہمیں چاروں طرف سے بلکہ حالی کے

الفاظ میں شش جہات سے گھیر کر ہم سے متاع عزیز چھین رہی ہے۔ مناسب ہوگا کہ مسدس حالی کے آئینے میں ہی اپنے ماضی و حال، مستقبل، عروج و زوال اور ترقی وتنزلی کا جائزہ لیں۔ حالی لکھتے ہیں:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا جو ہمارے اترنا دیکھے

یہ رباعی ہی ہماری پستی اور زوال پر پہلا نقش ہے۔ اب ہمیں یہ ماننے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ واقعی ہم بلندی سے پستی میں گرے ہیں اور ہمارے اس طرح بلندی سے پستی میں گرنے نے کئی نا قابل انکار وتسلیم حقیقتوں کو ماننے اور تسلیم کرنے مجبور کر دیا۔ کبھی دنیا مدوجزر کو ایک نہیں مانتی تھی مگر جب ہمارا منہ زور اور شراٹے بھرتا دریا اترا تو دنیا نے سر پیٹ کر یہ سچ بھی دیکھا اور مانا۔ یہ بھی دیکھا کہ مد کے بعد جزر آیا اور ایسا آیا کہ اب اس کے برعکس معاملہ نہیں ہوسکتا یعنی جزر کے بعد اب مد آنے کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے۔

اب مسدس کا آغاز یعنی تمہید:

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا
کہ جس کی دوا حق نے نہ کی ہو پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

یہ پہلی مسدس ہے۔ یعنی چھے اشعار ہیں۔ اس میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی سچائی اور تصدیق کا نہ یہ موقع ہے اور نہ ضرورت، مگر اس میں جو بات

ہے وہ ہماری زندگیوں میں انقلاب لانے کے لیے کافی ہے۔

بقراط۔ یونان کا مشہور حکیم اور دانشور گزرا ہے۔ جو 460 قبل مسیح پیدا ہوا تھا۔ اس کا انتقال 370 قبل مسیح ہوا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ میں ہر مرض کی شفا رکھی تھی۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی راہ سے گزرتا تو اس راستے کی جھاڑیاں، پیڑ پودے، پتھر، کنکر تک اس سے کہتے کہ ہم اس مرض کی دوا ہیں، ہم فلاں مرض میں کام آتے ہیں اور وہ ان کا استعمال کر کے علاج کیا کرتا تھا۔ اسی حکیم دانا سے کسی نے پوچھا کہ جناب والا! آپ کے نزدیک مہلک امراض کیا کیا ہیں۔ اس نے کہا بھائی دنیا میں کوئی ایسا مرض نہیں ہے جس کی دوا اللہ نے پیدا نہ کی ہو، ہاں اس مرض کا تو کوئی علاج نہ میرے پاس ہے اور نہ کسی اور پاس، جسے آدمی سیریس نہ لے اور اگر حکیم اس کی جانب نشان دہی کرے بھی تو اسے حکیم صاحب کا ہذیان، بکواس مان کر اس مرض سے لاپروائی برتی جائے۔ ایسے آدمی کو اب تباہی اور بربادی سے کوئی نہیں بچا سکتا اور ایسا ہی مرض مہلک اور لا علاج ہوتا ہے۔

یہ حکایت یا تمثیل مسلمانوں کی اس مسلسل کاہلی اور اپنے مقام و مقصد سے پیہم لاپروائی کی جانب اشارہ ہے۔ اسے بہت آسان مرض سمجھا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ سمجھانے والوں اور واعظوں کی باتوں کو بکواس کہا جا رہا ہے بلکہ ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور برملا کہا جا رہا ہے کہ ابھی تو بہت وقت ہے، ہم سدھر جائیں گے اور پھر سے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لیں گے۔۔۔۔ یہ نادانو! کی کج فہمی اور ناسمجھی ہے۔

بقراط آگے کہتے ہیں:

سبب یا علامت گران کو بجھائیں
تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں

یونہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں

طبیبوں سے ہرگز نامانوس ہوں وہ

یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

اس بند میں جن باتوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے یہی وہ مشکل کی باتیں ہیں، ایسے ہوتے ہوتے مرض بڑھتا جاتا ہے۔یعنی پہلے حکیم کی باتوں کو بکواس محض سمجھا گیا۔اس کے بعد جب اسے بتایا گیا کہ تیرا مرض یہ ہے کہ تو اس نے مرض کی تشخیص پر ہی اعتراض کر دیا۔پھر اگر اسے پرہیز اور دوا اور علاج کے تلقین کی گئی تو اس سے جی چرایا۔نتیجہ یہ نکلا کہ مرض بڑھتا گیا۔جب آنکھیں کھلیں اور ہوش آیا تو مرض بہت بڑھ چکا تھا اب سوائے مایوسی اور افسوس کے کچھ نہیں بچا، یہاں تک کہ جینے کا یارا ہی چھوڑ دیا۔

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے!

بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے!

کنارہ ہے دور اور طوفاں بپا ہے!

گماں ہے یہ ہردم کہ اب ڈوبتا ہے!

نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی

پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی

بقراط نے سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے تمام باتیں بتائیں اور پھر کھل کے اشارہ کر دیا کہ یہ تمثیل اس قوم کی ہے جس کا بیڑہ طوفانوں میں پھنس گیا ہو، جس کی کشتی منہ زور لہروں کی زد پر ہو، یہ آثار بھی نمایاں ہو گئے کہ اب تو کشتی ڈوب کر ہی رہے گی۔کنارہ بہت دور ہے اور سمندر بپھرا ہوا ہے، یہ آثار و نشاں بھی واضح ہیں، اس کے باوجود بے حسی کا عالم یہ ہے کہ اہلیان کشتی کروٹ لینے تک کو تیار نہیں، اس پر مستزاد یہ کہ وہ پڑے بے خبر سو رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ایسے لوگوں کا انجام اب کیا ہوگا یہ بتانے سے زیادہ سمجھنے کی چیز ہے۔ان کا نشان تک نہیں مل سکتا اور

سمندر کی بے رحم لہریں انھیں کہاں سے کہاں لے جائیں گی۔

گھٹا سر پے ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

یہاں سے حالی نے راست مدعا شروع کر دیا اور اپنے مخاطبین سے ہم کلام ہو گئے۔۔۔۔۔۔ان کو بتا رہے ہیں کہ تمھیں پتا نہیں اور نحوست اپنے پورے شباب پر ہے، سماں دکھلا رہی ہے، سر پر ادبار کی گھٹا چھا رہی ہے۔فلاکت ہمارے پس و پیش منڈلا رہی۔۔۔۔۔۔اس سے بھی زیادہ تازیانے والی بات یہ ہے کہ ہر چہار جانب سے آواز آ رہی ہے، ماحول ہم سے کہہ رہا ہے، وقت کی خاموشیاں چیخ اٹھی ہیں۔ہمیں ہمارا ماضی یاد دلا رہی ہیں۔۔۔۔۔۔

کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے

بھلا ایسا بھی کہیں ہوتا ہے۔ہاں مانا! جاگنے والے سوتے بھی ہیں مگر ابھی اس وقت تھوڑی ہے ابھی تو جاگنے کا وقت ہے۔افسوس تم سو رہے ہو اور سونا بھی ایسا کہ اب تو صورِ قیامت ہی تمھیں جگا سکتا ہے۔پھر جب تم جاگو گے تو سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

پر اس قوم کی غفلت وہی ہے
تنزل پے اپنے قناعت وہی ہے
ملے خاک میں پر رعونت وہی ہے
ہوئی صبح اور خواب راحت وہی ہے

نہ افسوس انھیں اپنی ذلت پہ ہے کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ

یہ وہی بات ہوگئی۔۔۔۔۔۔جب یہ قوم اس قدر سوئی ہوئی ہے کہ قیامت گزرتی جارہی ہے اور انھیں ہوش نہیں ہے تو شاعر بلکہ حالات، اس پر افسوس کناں ہیں کہ اتنا سب کچھ ہوگیا، نقصان ہوگیا اور سب کچھ لٹ گیا مگر اس قوم کی حالت بد ستور وہی ہے، اس نے تنزل پر قناعت کر لی۔اس کی عظمت خاک میں مل گئی، مگر رعونت وہی ہے، افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ دن کا سویرا پھیل گیا مگر یہ اب تک پڑے سو رہے ہیں۔خواب راحت سے جاگنے کا نام ہی نہیں لیتے۔اور تو اور انھیں اس پر ذرا بھی افسوس نہیں ہے۔۔۔۔۔۔! دنیا کا دستور ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کو دیکھ کر رشک کرتی ہے اور اس کے جیسا بننے کی کوشش کرتی ہے۔اس سے سیکھتی ہے اس کی خوبیاں اپنا کر اپنی خامیاں دور کرتی ہے مگر اس قوم کا یہ حال ہے کہ کچھ سیکھنا سکھانا تو بہت دور، رشک بھی نہیں کرتی اور نہ اسے یہ احساس ہے کہ یہ لوگ کیسے اور کیوں کر آگے بڑھ گئے اور ہم پیچھے کے پیچھے ہیں۔

بہائم کی اور ان کی حالت ہے یکساں
کہ جس حال میں ہیں اسی میں ہیں شاداں
نہ ذلت سے نفرت نہ عزت کا ارماں
نہ دوزخ سے ترساں نہ جنت کے خواہاں
لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انھوں نے
کیا دین برحق کو بدنام انھوں نے

یہ بند آنکھیں کھول دینے والا بند ہے۔جب یہ حالت ہو اور کچھ بھی اثر نہ ہو تو ایسی قوم کی حالت حقیقت میں جانوروں جیسی ہوجاتی ہے۔جانور یعنی چوپائے۔۔۔۔۔جس حال میں رکھو، خوش ہیں، بارش، سردی، گرمی، آفت مصیبت کسی میں بھی وہ خوش ہیں۔ان لوگوں کو یا اس قوم کو ذلت سے بھی نفرت نہیں اور نہ

عزت کا ارمان ان کے دلوں میں جوش مارتا ہے۔اس سے بھی دوقدم آگے نہ انھیں جہنم کا کھٹکا ہے اور نہ جنت میں جانے کا شوق، بلکہ انھوں نے تو دین اور عقل ہی بیچ کھائی۔ وہ دین جو برحق تھا اوران کی فلاح و بہبود کے لیے آسمانوں سے اترا تھا۔خدا کا دستور تھا وہ۔خدا کا منشور تھا وہ۔خدا کی بتائی ہوئی راہ نجات تھی وہ مگر اسے بھی انھوں نے رسوا اور بدنام کر دیا۔اب دیگر اقوام یہ کہہ کر اس سے بے زار ہیں کہ اگر اسلام اور دین یہی ہے جو مسلمانوں کے اعمال وافعال سے ہویدا ہے تو اس سے اللہ ہی بچائے۔۔۔۔ہم بغیر اسلام اپنائے ہی ٹھیک ہیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہماری وجہ سے ہمارا دین و مذہب رسوا ہو رہا ہے۔ہمیں اس سے ناپا اور تولا جارہا ہے اور سمجھا جارہا ہے کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے کہ تم زمانے،وقت اور حالات سے پیچھے رہو۔۔۔۔جب کہ اسلام تو تمام مذاہب میں سب سے زیادہ ترقی پذیر مذہب ہے۔مگر کیا کیا جائے اس کے ماننے والوں نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا۔

وہ دیں جس نے اعدا کو اخواں بنایا
وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غم خوار دوراں بنایا
گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا
وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلہ
گراں کر دیا اس کا عالم سے پلہ

اب سنیے۔۔۔۔جس دین کو انھوں نے اپنے کرتوتوں سے بدنام کر دیا اس کی خوبیاں یہ ہیں۔اس نے دشمنوں کو دوست اور بھائی بنایا۔جانور صفت انسانوں کو حقیقی اور دردمند انسان بنایا۔جو لوگ بکریاں، گائے بھینس اور اونٹ بیل چراتے تھے۔وہ کچھ نہ جانتے تھے اور کچھ انھیں نہ آتا تھا۔ساری دنیا انھیں گنوار اور جاہل کہتی تھی بلکہ کوئی ان سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتا تھا، وہی لوگ اس دین کو اپنا کر عالم کے سلطان بن گئے۔اس سے بھی آگے اس دین کا کمال دیکھیے کہ جس خطے

کوساری دنیا میں جانوروں کا گلہ یعنی ریوڑ رکھنے کی جگہ کہا جاتا تھا اس دین کی برکتوں نے اس کا پلہ تمام عالم سے اونچا کر دیا۔

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا
جہاں سے الگ اک جزیرہ نماں تھا
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا
نہ کشورستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

یہاں سے حالی نے زمانہ جاہلیت یعنی ظہور اسلام سے قبل کی جھلکیاں دکھانی شروع کی ہیں۔سلسلہ وہی ہے کہ جس اسلام،جس دین اور جس مذہب کو ان لوگوں نے بدنام کر دیا اس کی خوبیاں تو جگ ظاہر ہیں۔صرف لکھنے یا کہنے کی باتیں نہیں ہیں بلکہ عملی نمونے بھی اس نے پیش کیے ہیں اور اس کی سب سے بڑی نظیر عربستان میں انقلاب برپا کرنا ہے۔اس عربستان میں جو بالکل اور پوری طرح سے تہذیب وتمدن والی دنیا سے کٹا ہوا تھا۔وہاں انسانیت،بنیادی حقوق سے بھی نا آشنا تھی۔وہ لوگ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔نہ وہاں نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ وہ لوگ آداب شاہی سے واقف تھے۔کوئی ان سے معاملہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ بلکہ جو سنتا منہ بناتا چلا جاتا۔کس کی بات کررہے ہو یار۔۔۔۔عربوں کی۔۔۔۔بدوؤں کی۔۔۔۔ جنھیں رہنے،کھانے،پینے اور جینے کا سلیقہ تک نہیں ہے۔بہتر ہے کہ کوئی اور بات کی جائے۔۔۔۔اس طرح کی باتیں کرتے تھے لوگ اس عربستان اور وہاں کے باشندوں کے بارے میں۔۔۔۔وہ لوگ ترقی،تمدن،تہذیب،شائستگی،اخلاق، مورل،میزز۔۔۔۔کسی بھی اچھائی کے پاسدار نہ تھے۔ایسے لوگوں کو اس اسلام نے،اس دین نے۔۔۔اس مذہب نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

اسی عرب کی خستہ حالی،بدحالی اور پامالی کی ایک اور تصویر دیکھیے:

نہ آب وہوا ایسی تھی روح پرور
کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جوہر
نہ کچھ ایسے ساماں ن تھے واں میسر
کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی

یہ تھا وہاں کا عالم۔۔۔۔۔میدان کے میدان چٹیل۔۔۔۔۔ پھول، پتے، پیڑ، پودے، کیاریاں، پارک، گلستان، باغ، چمن۔۔۔۔اللہ اللہ کچھ بھی نہیں تھا۔ دور دور تک تپتا اور منہ جھلساتا صحرا تھا جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ وہاں جھیل، سمندر، ندی، تالاب، بیچ، برج، کیسل، پیلس کچھ بھی نہیں تھا۔ پینے کو پانی تک نصیب نہیں تھا۔ ہاں! کبھی جب بارش ہوتی تو وہ اس کا پانی جمع کر کے رکھ لیتے۔ جو چندروز میں سوکھ جاتا۔ مگر ایسے علاقے میں بھی اسلام کی بدولت بہار آ گئی۔ اس مذہب کی بدولت جسے آج بدنام اور رسوا کر دیا گیا اور اس کے حاملین علی الاعلان اس کا مذاق اڑانے پر تلے ہوئے ہیں۔

اور سنیے۔۔۔۔۔۔غور کرتے جایئے اس عرب کی حالت پر جس کا یہ نقشہ ہے:

زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش فشاں
لوؤں کی لپیٹ بادِ صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں
کھجوروں کے جھنڈ اور خار مغیلاں
نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کل کائنات اس کی یہ تھی
نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی
نہ یونان کے علم وفن کی خبر تھی

وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی
خدا کی زمیں بن جتی سر بسر تھی
پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا
تلے آسماں کے بسیرا تھا سب کا
کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا
کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا
بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود کہ قدرت نے انھیں کچھ بھی دینے کے لائق نہیں سمجھا تھا، وہ ترقی اور تمدن کے زمانے میں بھی مصر کی روشنی اور یونان کے علوم سے نا آشنا تھے۔ اس پر ستم یہ کہ وہ بتوں کو بھی پوجتے تھے۔ خدا کے تین ٹکڑے وہ بآسانی تسلیم کرتے تھے۔ ستاروں کی پوجا اور ان کے اثرات کے وہ قائل اور معتقد تھے۔ بتوں کی عمل کاری کے قائل بھی اور ان سے ڈرتے بھی تھے۔ مزید یہ کہ وہ جھوٹے، فریبی اور بدمعاش کرشمے دکھانے والوں اور بوگس کاہنوں کے جال میں بھی پھنسے ہوئے تھے۔ وہ ان سے اپنی مرادیں مانگتے تھے اور اپنے بگڑے کاموں کو بنانے کی امید رکھتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ نحوست اور کیا ہو سکتی تھی مگر اللہ پاک نے پھر بھی ان پر رحم کیا اور انھیں اپنا پسندیدہ مذہب، دین دے کر سر تاج عالم بنا دیا۔ اپنا گھر اسی علاقے میں بسوایا اور تمام دنیا کو حکم دیا کہ اس کی تعظیم بجالائیں۔۔۔۔ اس کی جانب رخ کر کے نمازیں پڑھیں اور اسے اپنا قبلہ تصور کریں۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا

خلیل ایک معمار تھا جس بِنا کا

ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا

کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا

وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا

جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

اللہ کے اسی گھر کو ان نا ہنجاروں نے لات وعزیٰ اور منات کا گھر بنا دیا۔اسے تیرتھ استھل بنا دیا۔۔۔۔اس گھر میں جسے اللہ کے خلیل نے اللہ کے لیے بنایا تھا، بت بھر دیے۔۔۔۔تین سو ساٹھ بڑے بڑے بت اور چھوٹے چھوٹے بے شمار۔۔۔۔کوئی کنگورہ، روشن دان، طاق ایسا نہ تھا جہاں بت نہ ہوں۔وہاں سب ان ہی کے گیت گانے والے تھے خدا کا نغمہ کسی کی زبان پر نہیں تھا۔

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا

کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا

یہ عزا پہ یہ نائلہ پر فدا تھا

اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور

اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

یہ تھا حال اس قوم کا۔نہ صرف یہ کہ مجموعی طور پر بہت سارے بتوں کی وہ پوجا کرتی بلکہ گھر گھر کا خدا جدا تھا اور ہر ایک ایک سے زیادہ خصوصیتوں کا مالک۔۔۔۔وہ ان کی طاقت واثر کو لے کر آپس میں لڑتے بھی تھے۔عجیب جاہل اور بدخصلت انسان تھے نا وہ۔ابھی اور سنیے!

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ

ہر ایک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ

نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل وغارت میں چالاک ایسے

درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

یہ ان کی مزید بد خلقیاں تھیں جنھیں وہ بہادری اور جواں مردی کہتے تھے۔ غیرت اور حمیت کہتے تھے۔قبیلیت اور خاندانی فرض کہتے تھے۔اس پر انھیں افسوس ہونے کے بجائے ناز تھا بلکہ انھیں قبیلے کی عورتیں انھیں ہی اہمیت دیتی تھیں۔۔۔۔ ۔ان کے لیے اپنی متاع عزیز داؤ پر لگا دیتی تھیں۔وہ شخص بھی اپنے آپ کو اتنا ہی خو ش نصیب اور خوش قسمت سمجھتا تھا۔۔۔۔۔مزید ملاحظہ کیجیے:

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے

سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے

جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے

تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند اک ہوتا تھا گر واں شرارا

تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

یہ ان کی سفاکیت اور درندگی کی ایک اور مثال ہے۔اگر کسی بات پر اڑ گئے تو اڑ گئے۔چاہے وہ معمولی اور بے وقعت سی بات ہی کیوں نہ ہوتی۔اڑنا بھی ایسا کہ الامان والحفیظ۔اگر آپس میں لڑ پڑے تو سلجھائے نہ سلجھیں۔اس کا اثر صرف دولڑنے والوں پر ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ قبائل کے قبائل اس سے متاثر ہوتے اور سب کے سب ایک دوسرے کے مدمقابل آجاتے۔ان کا آپسی لین دین، ملنا جلنا، باہمی رواداری، سب کی سب ایک آن میں ختم ہو جاتی اور اس کی جگہ ان کے ہاتھوں میں تلواریں اور آنکھوں میں نفرت کی آگ بھر جاتی۔عورتیں سروں پر خاک ڈال ڈال کر نوجوانوں کو ورغلاتیں اور انھیں جنگ پر ابھارتیں۔عالم یہ تھا کہ اس ملک میں کہیں بھی کوئی شرارا بلند ہوا تو اس کی چپیٹ میں وہاں کا چپہ چپہ آجاتا۔پورے ملک میں

کشیدگی پھیل جاتی اور پورا ماحول آگ آگ، دھواں دھواں ہو جاتا۔

وہ بکر و تغلب کی باہم لڑائی
صدی جس میں انھوں نے آدھی گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی
تھی اِک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

اس بند میں شاعر نے عرب قبائل کی ایک مشہور جنگ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ جنگ کم و بیش پچاس سال تک چلی۔ اس نے سارے عرب کو متاثر کر دیا۔ نیز اس کے اثر سے چھوٹے موٹے قبائل کا صفایا ہو گیا تھا۔ تاریخ میں اسے ایک خوں خوار جنگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ جنگ کسی ملک یا فوج کے خلاف لڑی گئی ہو۔ یا کسی ملک پر قبضہ کرنے یا اپنے ملک سے قبضہ کرنے والوں کو بھگانے کے لیے کی گئی ہو بلکہ ان کی آپسی معمولی سی بات تھی۔ بات بھی ایسی کہ نادان بھی جسے سن کر ہنسے مگر وہ جاہل اسے انا اور ایگو کا مسئلہ بنا کر برسوں لڑتے رہے۔ اگلے بند میں شاعر نے اس جنگ یا اس جیسے دیگر جھگڑوں کا سبب بننے والی ان معمولی باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

یہ تھیں وہ باتیں بلکہ بے حیثیت باتیں جنھیں وہ اپنی انا سے بھی اونچا بنا لیتے

تھےاور بے دریغ لڑ پڑتے تھے۔کتوں کی جیسی لڑائی لڑتے یا جیسے سینگ والے جانور گتھم گتھا ہوتے ہیں۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھے شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جاکر
وہ گود ایسی نفرت سے ہوتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

من جملہ متعدد برائیوں،خرابیوں اور افسوسناک جرائم کے ان میں یہ اخلاقی برائی بھی تھی کہ اگر کسی گھر میں بیٹی پیدا ہوگئی تو نہ صرف اس بیٹی، بلکہ معصوم بیٹی پر مصیبتیں ٹوٹتیں،اس کے ساتھ جننے والی پر بھی زندگی بھاری ہوجاتی۔وہ ماں اپنے اس جگر پارے کو اپنی آنکھوں کے سامنے مٹی میں زندہ دبا دیتی۔ان کے دل بھی سخت ہوگئے تھے۔بیٹیوں کی پیدائش کو وہاں جرم عظیم سمجھا جاتا تھا۔چنانچہ وہ مائیں اپنی لاڈلی اور پھول جیسی بیٹیوں کو ایسے پھینکتی جیسے کسی کی گود میں سانپ آ گیا ہو۔بلکہ اسے دفن کرکے انھیں ایسا ہی محسوس ہوتا تھا جیسے انھوں نے دنیا کا عظیم ترین کارنامہ کرڈالا ہو۔۔۔۔۔انھیں باقاعدہ اس کے لیے سزائیں ملتی تھیں کہ بیٹی کیوں جنی اور اگر جنی ہے تو اس جرم کی تلافی یہ ہے کہ اسے جتنا جلدی ہو سکے کسی گڑھے میں، کنویں میں، یا جنگل میں پھینک دیا جائے۔چنانچہ وہ مائیں ایسا ہی کرتیں اور اپنے شوہروں کی منظور نظر بنتیں۔ہائے ربا یہ کیسا ستم تھا۔زمین پر آسمان کے نیچے۔۔۔۔۔خدا کی نظروں کے سامنے۔۔۔۔۔!!!

جو اُن کی دن رات کی دل لگی تھی
شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی

غرض ہر طرح ان کی حالت بری تھی
بہت اس طرح ان کی گزری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

جوا، شراب، غفلت، دیوانگی، جھوٹ، فریب، دھوکہ، عیش مستی، بس یہی حالت تھی ان کی جس پر وہ صدیوں سے گامزن تھے اور نہ جانے کب تک رہتے کہ خدا نے ان پر کرم کیا۔ ان میں اچھائیاں نہیں بلکہ برائیاں ہی برائیاں تھیں۔ سر سے لے کر پیر تک اور پیر سے لے کر سر تک وہ برائیوں میں ہی ملوث تھے۔ ان کی اچھائیوں پر برائیاں چھائی ہوئیں تھیں۔

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت
بڑھا جانب بوقیس ابر رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

جب عربوں اور عربستان کی یہ حالت حد سے زیادہ بڑھی، اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آیا اور اس بے آب و گیاہ زمین پر اپنے خزانے کی سب سے قیمتی تحفہ، بلکہ وجہ کائنات، سرور کاینات، غریبوں کے مسیحا، مظلوموں کے ہمدرد، غمگینوں کا غم بانٹنے والا، امانتوں کا پاسبان اور صدق و صفا کا جلی عنوان۔ جس کی دعا خلیل اللہ، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مانگی اور اس کی بشارت مسیحا یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم نے دی تھی۔ وہ آمنہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس کے بعد ایسا لگا جیسے اندھیروں میں اجالے بھر گئے ہوں، تاریکیوں میں تابانیاں چمک اٹھی ہوں، سیاہیوں پر سفیدیوں نے قبضہ کرلیا ہو۔۔۔۔۔۔ کالی اور گھنی رات میں اچانک جیسے چاند نمودار ہوگیا ہو۔ اللہ پاک خاص کرم تھا وہ جو فاران کی چوٹیوں سے نمایاں ہوا اور دیکھتے ہی

دیکھتے اس کے دم سے روشن دنیا کے شبستان بھی جگمگانے لگے۔ چنانچہ:

ہوئے محو عالم سے آثار ظلمت
کہ طابع ہوا ماہ برسعادت
نہ چٹکی مگر چاندنی ایک مدت
کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت
یہ چالیسویں سال لطف خدا سے
کیا چاند نے کھیت غار حرا سے

یہ کرشمہ ہوا۔ نبی رحمت کا ورود مسعود ہوا، مگر مشیت ایزدی سے وہ نور بطحا تقریباً چالیس سال تک چھپا رہا اور جب چالیسواں برس ہوا تو خلعت نبوت سے سرفراز کیا گیا اور 'اے مزمل' اور 'اے مدثر' جیسے خطاب عطا کر کے 'اقرا' کا سبق پڑھا کے حکم دیا گیا کہ اب ایسے عرب کو رشک دو جہاں بنا دو۔۔۔۔۔۔۔قربان جایئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ اخلاق، حسن انداز، تڑپ، فکر، احساس، دعا، آرزو، لگن، عمل پیہم، مسلسل جدوجہد سے محض 23 برس میں وہ انقلاب برپا کر دیا کہ دنیا آج تک حیران ہے۔ بڑے بڑے انقلابی رہ نما اسی سے رہ نمائی اور سبق حاصل کرتے ہیں اور اس طریقے کو اپنا کر اپنے متبعین کو پیغام نجات سناتے ہیں۔ اس نبی کی صفات جس نے عرب کی کایا پلٹ دی۔۔۔۔۔۔ یہ تھیں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

اور یہ بھی صفات بھی اس نبی میں تھیں:

خطا کار سے درگزر کرنے والا

بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

مفاسد کو زیروز بر کرنے والا

قبائل کو شیر وشکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوائے قوم آیا

اور اک نسخہ ؟ کیمیا ساتھ لایا

اس کے کارنامے دیکھیے ۔۔۔۔:

مس خاک کو جس نے کندن بنایا

کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا

پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا

اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

اس نے ایسا کر دکھایا اور نا قابل یقین کو قابل یقین اور ناممکن ہی نہیں محال کو بھی ممکن کر دکھایا۔قرنوں کی جہالت مختصر سے وقت میں بدل دی۔

پڑی کان میں دھات تھی اک نکمی

نہ کچھ قدر تھی اور نہ قیمت تھی جس کی

طبیعت میں جو اس کے جوہر تھے اصلی

ہوئے سب تھے مٹی کے میں مل کر وہ مٹی

یہ تھا ثبت علمِ قضا وقدر میں

کہ بن جائے گی وہ طلا اک نظر میں

وہ فخر عرب زیب محراب ومنبر

تمام اہل مکہ کو ہم راہ لے کر!

گیا ایک دن حسب فرمان داور
سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر
کہ فرمایا سب سے کہ اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

اس بند میں نبوت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی تبلیغ کا قصہ مذکور ہے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں پیغام حق ملا اور حکم ملا کہ جا کے اس کو ساری قوم کو سناؤ اور انھیں اللہ کا خوف دلا کر برائیوں سے بچا کر اچھائیوں کی طرف آنے کی تلقین کر و۔انھیں اچھا اور برا بتاؤ اور ماننے کی ہدایت کر و۔انھیں اطاعت کی صورت میں جنت کی بشارت اور نافرمانی کی صورت میں جہنم سے ڈراؤ۔۔۔۔۔رسول اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم، یہ پیغام حق لے کر اپنی قوم کے پاس آئے اور انھیں یہ صدائے حق سنانے کے لیے کوہ صفا پر جمع کیا۔ایک پہاڑ تھا جو مکہ شہر کا سب سے بلند اور دوسری پہاڑیوں کے بہ نسبت قدرے اچھا تھا۔اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے افراد کو جمع کر کے اپنی بات کا آغاز اس طرح کیا کہ'اے آل غالب!تم مجھے بتاؤ کہ میرے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے،آیا میں سچا ہوں یا جھوٹا۔۔۔۔تو سب نے کہا:

کہا سب نے' آج تک کوئی قول تیرا
کبھی ہم نے جھوٹا سنا نہ دیکھا'
کہا' گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا
تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا
کہ فوج گراں پشت کوہ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمھیں گھات پا کر'
کہا' تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے
کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے'

کہا 'گر مری بات یہ دلنشیں ہے

تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا

ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا'

یہ تھا وہ پیغام۔۔۔۔۔یہ تھی وہ ہدایت اور اس کی تمہید یا آغاز بیان۔۔۔۔۔۔پہلے اپنی اہمیت،صداقت و امانت ان کے دلوں میں جاگزیں کی۔پھر جب سب لوگوں نے کہا کہ ہاں! ہاں! ہم آپ کی سب بات مانتے ہیں اور آپ کو خود سے زیادہ اچھا اور بہتر جانتے ہیں۔آپ کی نیکیاں اور خوبیاں جگ ظاہر ہیں۔اب ہمیں زیادہ قسمیں نہ دلایئے۔۔۔۔۔۔جو بات ہے وہ فرمایئے۔۔۔۔۔۔اہلیان قوم کی جانب سے تصدیق ہونے کے بعد آپ نے جو فرمایا اسے شاعر یوں بیان کرتا ہے:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صورت ہادی

عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی

اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیام حق سے

کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

رسالت مآب کے کلمات حق نے کایا پلٹی شروع کر دی۔سرزمین میں ایک زلزلہ سا آ گیا اور زلزلہ بھی ایسا جس سے نہ تو کچھ گرا اور نہ منہدم ہوا ہاں! دلوں میں ضرور شدید قسم کی ہلچل ضرور مچ گئی تھی۔اس صدائے حق پر بہت خوش نصیبوں نے لبیک کہا اور کچھ اسے کا انکار کر کے گمراہیوں میں گرتے چلے گئے۔جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانی انھیں آپ نے کیا کیا سکھایا۔اس کا بیان شاعر یوں کرتا ہے۔

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا
حقیقت کا گُر ان کو اک اک بتایا
زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بنایا
بہت دن کے سوتوں ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلائے ایک پردہ اٹھا کر
کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں
بھلا دیے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانہ میں تھا دورِ صہبائے بطلاں
مئے حق سے محرم نہ تھی بزم دوراں
اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خم معرفت کا تھا منہ خام اب تک
نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے
نہ آگاہ تھے مبداؑ و منتہا سے
لگائی تھی ایک اک نے لَو ماسوا سے
پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے
یہ سنتے ہی تھرا گیا گلّہ سارا
راعی نے للکار کر جب پُکارا

یہ سب تعلیمات تھی پیغمبر اسلام اور اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے اس دین کی اور اس کا فیضان تھا کہ سب کچھ جیسے بدلتا چلا گیا۔ جو لوگ خدا سے دور تھے، وہ قریب آ گئے۔ جو مئے حق سے محروم تھے انھیں جام توحید پینے کو ملے۔ جس سے ان کے دلوں کی جہالت روشنی میں تبدیلی ہوتی چلی گئی اور ان کی خماری کو نئے آہنگ مل گئے۔ وہ شراب خسیس سے شراب طہور کے عادی ہو گئے جس میں شفا ہی شفا

تھی۔قلوب کی شفا،دلوں کی خرابیوں کا سچا علاج، بلکہ ہرقسم کی بیماریوں کا علاج۔عرب میں اب خوشگوار انقلاب کروٹیں لے رہا تھا اور ٹھنڈی ہواؤں کا آغاز ہوگیا۔عرب کے صحرا پر اب رحمت وکرم کے بادل منڈلانے لگے۔

رسول اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں عرب باشندوں کو اخلاق،حق، باطل، غلط،صحیح،حقوق کی ادائیگی اور اچھائی وسچائی کی راہ پر چلنے کی تلقین کی وہیں سب سے اہم ترین بات اور بھی بتائی۔وہ کیا؟اس کا ذکر شاعر نے اگلے بند میں کیا ہے:

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لایق
زبان اور دل کی شہادت کے لایق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لایق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لایق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

یہ توحید کا سب سے پہلا سبق تھا۔شرک سے دور رہنے کا سبق،ذات واحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کا سبق تھا۔اسی سے اپنی مرادیں مانگنے،فریادیں کرنے،التجائیں اور عاجزیاں کرنے کا سبق تھا۔اسی کو اپنا حاجت روا،مشکل کشا،دعا سننے والا، کچھ دینے لینے والا،اسی سے ڈرنے اور گھبرانے،اسی سے امید و تمنا اور آرزو کرنے کا سبق تھا۔آگے اسی سلسلے کو بڑھایا گیا:

اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم
اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم
اسی کی طلب میں مرو گر مرو تم
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

یہ ہے اللہ پاک کا تعارف۔وہ لاشریک ہے۔تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔اسی سے عشق،اسی سے محبت اور اسی سے الفت کرنا روا ہے،اسی سے کیا ہوا عشق،عشق حقیقی ہوگا اور مقبول بھی۔اسی کی ہی اطاعت حقیقی اطاعت ہوگی۔اسی کی ہی طلب سچی طلب ہے۔وہ سب سے بڑا ہے اور اس سے اعلا ہے۔۔۔۔۔۔اور سنیے،اللہ کے حضور میں سب مجبور ہیں و بے بس ہیں۔سب اسی کے محتاج ہیں۔

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں
مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاں دار مغلوب و مقہور ہیں واں
نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرسش ہے رہبان واحبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

اللہ کے دربار میں سوائے اس کے کسی کی بھی نہیں چلتی۔دنیا میں چاہے اس کے پاس کتنا ہی مال ہو۔روپیہ ہو،دھن دولت ہو،جاہ و حشم،عقل مندی ہو،اس کے پاس چاہے ساری دنیا ہو،وہ کتنا بڑا ہی کرشمہ ساز کیوں نہ ہو،اس کی تو چھوڑو وہ نبی،ولی،پیر فقیر چاہے کچھ بھی ہو کسی کی نہیں چلتی،چلتی ہے تو صرف اور صرف اللہ کی جس نے ان سب کو پیدا کیا اور اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔لہٰذا اے میرے پرستارو!،میرے متبعین،میرے صحابہ،میری قوم کے لوگو!

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا
کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا
بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انساں ہیں واں جس طرح سر فگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

جس طرح یہود ونصاریٰ حدود کو پھلانگ گئے۔کہیں انھوں نے نبیوں کو قتل کر دیا اور کہیں انھیں خدا کا بیٹا اور شریک مان لیا۔تم ہرگز میرے ساتھ ایسا نہ کر نا۔میرا جو بھی رتبہ،مقام اور مرتبہ ہے مجھے وہیں تک رکھنا۔من جانب اللہ مجھے جو عہدہ ملا ہے اسی پر مجھے سمجھنا۔مجھے بڑھا کر نہ گھٹانا اور گھٹا کر نہ بڑھانا۔بلکہ میں تو تمھاری طرح کا ایک بندہ ہوں۔اس کی نظر میں میری اہمیت بس اتنی ہے کہ میں اس کا نبی اور پیغام رساں ہوں،میں اس کی دعوت اور اس کا نغمہ لے کر تمھارے پاس آیا ہوں۔اس سے زیادہ میں کچھ نہیں۔اور ہاں!یاد رکھیے گا۔۔۔۔۔خبر دار۔۔۔۔۔!!

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

جس طرح دوسری قوم کے لوگوں نے اپنے نبیوں،ولیوں،بزرگوں اور اللہ والوں کی تربتوں کو صنم خانہ اور پوجا پاٹ کی جگہ بنالیا۔۔۔۔ہرگز ہرگز تم میری تربت کو ایسا نہ بنانا۔کیوں کہ جس طرح تم بندے،مجبور محتاج،حاجت منداور ضرورت مند ہو،بالکل ایسا ہی میں ہوں۔جب تم اپنی قبروں کو نہیں پوج سکتے تو میری قبر پوجنے کا سوال وخیال کیسا۔تاہم اگر مجھ میں اور تم میں کوئی امتیاز ہے تو بس اتنا کہ میں بندہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا ایلچی بھی ہوں۔۔۔۔۔۔

اس طرح دل ان کا ایک اک سے توڑا
ہر اک قبلہ کج سے منہ ان کا موڑا
کہیں ماسوا کا علاقہ نہ چھوڑا
خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا

کبھی جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دیے سر جھکا ان کے مالک کے آگے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا اثر یہ ہوا اور آپ کی فرمائی ہوئی باتیں لوگوں کے دلوں میں اس طرح راسخ ہوئیں کہ وہ ہر چیز، ہر خدا، ہر بات سے منہ موڑ کر اللہ وحدہ لاشریک کے دربار میں آ گئے۔ عالم یہ تھا کہ جو کبھی بتوں کے سوا کسی کا نام لینا یا سننا گوارا نہیں کرتے تھے اب انھیں اللہ کے سوا کسی کا نام لینا اور سننا گوارا نہیں تھا۔

پتا اصل مقصود کا پا گیا جب
نشاں گنج دولت کا ہاتھ آ گیا جب
محبت سے دل ان کا گرما گیا جب
سماں ان پہ توحید کا چھا گیا جب
سکھائے معیشت کے آداب ان کو
پڑھائے تمدن کے سب باب ان کو

دین وایمان اور توحید و رسالت کی پیہم چوٹوں سے جب ان کے سخت دل نرم ہو گئے تو پھر انھیں دین وایمان کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن اور آداب زندگانی بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے۔

جتائی انھیں وقت کی قدر و قیمت
دلائی انھیں کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت
ہو فرزند و زن اس میں یا مال و دولت
نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہرگز تمھارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گزارا

یہ تعلیمات بھی سکھائی۔ وقت کے ضائع اور استعمال کرنے کے طریقے

سمجھائے۔ انھیں مال ومتاع، بیوی، اولاد، رشتے داروں کی اہمیت بھی بتائی اور اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ یہ لوگ ہمیشہ تمھارے ساتھ نہیں رہیں گے بلکہ تمھارے ساتھ جو کچھ رہے گا وہ تمھارا اچھا وقت، نیکیاں، بھلائی اور ایمان کی باتیں رہیں گی۔ وہی تمھیں نجات بھی دلائیں گی اور وہی کامیاب بھی کرائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ سلم نے انھیں اچھے اور نیک کام کرنے کی بھی تلقین کی۔ نیز سمجھایا

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت
یہ کہہ کر کیا علم پہ ان کو شیدا
کہ 'ہیں دور رحمت سے سب اہل دنیا
مگر دھیان ہے جن کو ہر دم خدا کا
ہے تعلیم کا یا سدا جن میں چرچا
ان ہی کے لیے ہے یاں نعمت خدا کی
ان ہی پر ہے واں جا کے رحمت خدا کی'
سکھائی انھیں نوع انساں پہ شفقت
کہا 'ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایے سے رکھتے ہیں وہ محبت
شب و روز پہنچاتے ہیں اس کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لیے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لیے چاہتے ہیں

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گزر جائے سر پر
پڑے غم کا سایہ نہ اس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر
اور مزید یہ بھی۔۔۔۔۔۔۔!
ڈرایا تعصب سے ان کو یہ کہہ کر
کہ زندہ رہا اور مرا جو اسی پر
ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر
وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اس محبت کو بہرہ
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرہ
بچایا برائی سے ان کو یہ کہہ کر
کہ طاعت سے ترک معاصی ہے بہتر
تورع کا ہے ذات میں جن کی جوہر
نہ ہوں گے کبھی عابد ان کے برابر
کرو ذکر اہل ورع کا جہاں تم
نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم
غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی
کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تا کہ لو اس سے اپنی پرائی
نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی

طلب سے ہے دنیا کی گریاں یہ نیت
تو چمکو گے واں ماہ کامل کی صورت
امیروں کو تنبیہ کی اس طرح پر
کہ ہیں تم میں جو اغنیا اور تونگر
اگر اپنے طبقے میں ہوں سب سے بہتر
بنی نوع کے ہوں مددگار و یاور
نہ کرتے ہوں بے مشورت کام ہرگز
اٹھاتے نہ ہوں بے دھڑک گام ہرگز
تو مردوں سے آسودہ تر ہے وہ طبقہ
زمانہ مبارک ملے جس کو ایسا
یہ جب اہل دولت ہوں اشرار دنیا
نہ ہو عیش میں جن کو اوروں کی پروا
نہیں اس زمانہ میں کچھ خیر و برکت
اقامت سے بہتر ہے اس وقت رحلت
دیے پھیر دل ان کے مکر و ریا سے
بھرا ان کے سینے کو صدق و صفا سے
بچایا انھیں کذب سے افترا سے
کیا سرخرو خلق سے اور خدا سے
رہا قول حق میں نہ کچھ باک ان کو
بس اک شوب میں کر دیا پاک ان کو

یہ سب وہ تعلیمات ہیں جو سماجی، معاشرتی اور شہری بنیادوں پر استوار ہیں۔ ہم اگر کسی مقام پر رہیں تو ہمارا سوشل اور سماجی کردار کیا ہونا چاہیے۔ ہمیں کس طرح سے چیزوں سمجھنا اور سمجھانا چاہیے۔۔۔ اگر ہم امیر ہوں تو ہمارے اوپر دیگر

بندوں، ناداروں اور کمزوروں کے کیا حقوق ہیں اور اگر غریب ہیں تو ہمارا عمل کس طرح ہونا چاہیے۔ یہ نہایت چھوٹی اور مختصر باتیں ہیں تاہم ان کے اثرات وفوائد بہت عظیم ہیں اور سماجی ڈھانچوں کی مضبوطی و تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کی اہمیت و افادیت وہی جانتے ہیں جنھیں سماجی مسائل کا سامنا ہوتا ہے اور سماجی زندگی میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

ان تمام تعلیمات نبوی نے انھیں حیوان سے انسان بنا دیا اور ان کے سینوں میں مروت، ہمدردی، انسانیت، اخوت بھر دی۔ ان کے تاریک سینوں میں ان کی تمام زندگی کو روشن کرنے والی قندیلیں جلا دیں۔

****